شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات تحقیقی جائزہ

Thought And Theories Of Shah Waliullah Research Review

1. **Dr.Makhdoom Muhammad Roshan Siddiqui**	2. **Hafiza Sadaf**
Professor GC University Hyderabad	Ph D scholar Khwaja Fareed University of Engineering & Information Technology (KFUEIT)
Email: drmmr1997@gmail.com	**Email:** hafizasadf737@gmail.com

3. Dr. Safia BiBi
Lecturer, The Islamia University of Bahawlpur Rahim Yar Khan
Email :safia.bibi@iub.edu.pk

To cite this article:

1. Dr.Makhdoom Muhammad Roshan Siddiqui 2. Hafiza Sadaf 3. Dr. Safia BiBi , July – Dec Vol.5 Issue .2 (2024) Urdu *Al-Bahis Journal of Islamic Sciences Research*, *5*(2),22-37 Retrieved from https://brjisr.com/index.php/brjisr/article/view/14

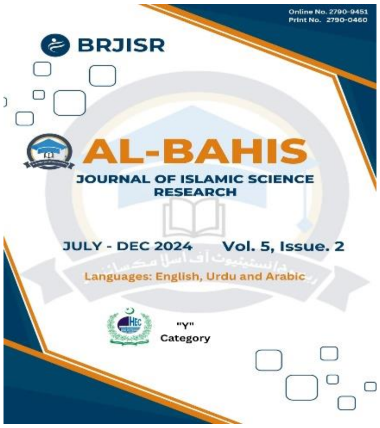

Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)

OPEN ACCESS

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات تحقیقی جائزہ

Thought And Theories Of Shah Waliullah Research Review

Thoughts and theories of Shah Waliullah Thought And Ideas Of Shah Wali Allah، Shah Waliullah Muhadith Dehlawi (4th Shawwal 1114 AH/21st/February 1703AD-29th , Muharram 1176 AH / 20 August 1762 A.D.) He was a famous Mughal religious scholar, Muhaddith scholar and writer. He was one of the greatest Islamic thinkers. They are also of high status. God extremely rare talents and endowed him with the best abilities. Along with the superior powers of intelligence, you adorned and beautified the subtleties and purity of heart and soul. His great feature was that he gave his sciences and arts a pleasant language of expression and communication and through his compilations and discoveries and practical mujahids, he educated, trained, guided and led the Islamic Ummah. In the accomplishments of Majd Dana were great and they were great and brilliant personalities of the time In the chapter of appearance and action, common writers and commentators have the idea that they are the product of academic recession, religious chaos, moral chaos, and cultural malaise. The appearance of Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi in the Twelfth /Eighteenth century, his scholarly work, his intellectual gifts, his contribution to the treasure of Islamic thought and knowledge, and his service to the renewal of Islam and knowledge is one of the greatest fruits of this continuous Islamic legacy. is In this article, the essayist has written about the thoughts of Shah Waliullah Ideas have been highlighted.

Keywords : Quran , Hadith, Books , Thought, Theories.

تعارف

شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ولادت 1703ھ-وفات 1762ء میں ہوئی، [1]

آپ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی عہد عالمگیری کے ممتاز و سر کردہ علماء وفقہا میں تھے۔آپ کا نام فتاوی عالمگیری کے مرتبین ومدونین میں سر فہرست آتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محبت ہوئی اپنی صدی سے سیاسی بحران وانتشاری صدی کہا جائے تو بیجانہ ہو گا کے
جلیل شاہ ولی اللہ، ملت اسلامیہ کے ان بزرگوں میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں، کہ جن کے کتاب وسنت سے ماخوذ علم وتدبر نے ملت کو انفرادی اور اجتماعی دائرہ حیات میں وہ رہنما دفعات عمل عطافرمائی ہیں کہ جو وقت کی کروٹوں سے کبھی پرانی نہیں پڑیں گی۔اس مختصر وقت اور مختصر تحریر میں اس وسیع الذیل موضوع کے پیش نظر مقالہ نگار نے اپنے اس آرٹیکل میں "شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کا تحقیقی جائزہ"کو پیش کیا ہے۔

---

[1] عطاءالرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ اوران کے افکار ونظریات ، طبع، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، اشاعت، 5مئی2004ء، ص 8
Atta Ur Rehman Qasmi , Shah Wali Ullah or inke Ifkar o Nazriyat , Tibba ,Shah Wali Ullah Institute Ashat 5 May 2004, Pg 8

فکر و نظریات

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی فکر و نظریات کی دو ممتاز سطحیں ملتی ہیں: ایک شار خانہ دوسری فلسفیانہ۔ اور یہ دونوں فکری لہریں کبھی ساتھ ساتھ چلتی ہیں، شار حانہ فکر کے نیچے فلسفیانہ فکر کے دھارے رواں دواں رہتے ہیں۔ اور کبھی دونوں فکر میں بالکل الگ الگ ممتاز طریقے سے بہتی ہیں، لیکن اس عالم میں بھی وہ ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتیں، تائید کرتی ہیں۔ دراصل اُن فکری سطحوں کی روانی کے طریقوں کی تعیین موضوعات و مضامین کی نوعیتوں سے از خود ہوتی جاتی ہے۔ جہاں فکر شاہ ظواہر دین و تصوف اور مسلمات علوم وفنون سے تعرض کرتی ہے اس کی نوعیت شار حانہ، مفسرانہ اور بیانیہ ہو جاتی ہے۔ باطنی پہلوؤں اور ان کے اسرار ور موز اور حکمتوں کے بیان میں طرز اظہار فلسفیانہ، حکیمانہ اور مفکرانہ بن جاتی ہے۔

فکرِ ولی اللہی

کی شار حانہ نوعیت زیادہ تر اسلامی علوم وفنون کے بیان میں ملتی ہے۔ قرآنیات میں ترجمہ و تفسیر، اُصول تفسیر و قوانین ترجمہ، حدیثیات میں تاریخ تدوین، انواعِ کتب انغلاط رواۃ، نقد و تجزیہ فن فقہیات میں ارتقاء فقہ، مسالک و مذاہب، آئمہ اربعہ، کتب واُصول فن، سیرت و تاریخ میں سوانح و واقعات سید المرسلین ﷺ، آغاز خلافت الٰہی واسلامی، ارتقائے ادار و ادوار خلافت، طبقات خلفاء اسلام اور اُن کے علمی و تہذیبی عطایا، تذکر و ترجمہ میں حالات و کرامات، ملفوظات وافکار، اور تصوف و طریقت میں آغاز وار تقاء، ادوار سلاسل وافکار، اشغال واعمال، اوراد و وظائف و غیر و پر انداز بیانیہ، شار حانہ اور حکیمانہ ہوتا ہے۔ لیکن جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علوم و معارف کے باطنی پہلوؤں کو اُجاگر و تابناک بناتے ہیں تو فکر و حکمت کی سطح نظر و تعقل کی بلندی اور فکر مرتفع پر جا پہنچتی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں عقائد

آپ رحمۃ اللہ علیہ عقائد میں ذات وصفات الٰہی، عالم بالا، ملاء اعلیٰ، ملائکہ، حظیرۃ القدس عالم مثال وارواح، تجلیات و تجلی اعظم، وحی الہام، القاء، نبوت ورسالت، کلام الٰہی، آخرت و معاد نشر اجساد، روح، نسمہ، نفس ناطقہ وغیرہ کا بیان فلسفیانہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے علوم اسلامی کا معاملہ ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایمانیات میں حکمت سے کام لینا

شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ کا ایمانیات، عبادات و معاملات واخلاق کے مباحث میں اسرار ور موز کا پتہ لگانے میں حکمت آمیز ہو جاتے ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ کے بعض واقعات جیسے نبوت کا استحقاق، مبشرات و معجزات، شق صدر واسراء و معراج وغیرہ کے بیان میں حضرت شاہ صاحب بیان سے زیادہ حامل و شارح حکمت ہو جاتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا سماجی معاملات میں حکمت سے کام لینا

سماجیات میں فطرت انسان اس کی لیاقتوں، صلاحیتوں، قوموں اور کائنات اور اس کے نظام نیز تعلق مع اللہ کے مباحث خالصتاً فلسفہ و حکمت کے نقطہ نظر سے معرض تحریر میں آتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ الٰہی کا نظام کائنات پر قلب و وجدان پر اثرات

تصوف، طریقت و معرفت میں جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علوم باطنی کے فیضان اس کے منابع و مصادر، قلب و وجدان پر ان کے اثرات، ملاء اعلیٰ سے فطرت انسانی کے تعلقات، ذات الٰہی سے نظام کائنات کے رشتہ، مکاشفات و مشاہدات، رویاء صالحات و غروے بحث کرتے ہیں تو فلاسفہ تصوف کا رنگ و آہنگ قبول کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دستورِ معمول اور ہر صدی کی ابتدا میں عہد ساز اشخاص کا بھیجنا

اللہ تعالیٰ کا دستور اور معمول رہا ہے کہ جب شریعت اور مقاصد شریعت میں دین اور اسلام کے نام پر کچھ ایسے غلط معتقدات و مخترعات در آجاتے ہیں، جن کی موجودگی میں دین الٰہی اور شریعتِ مصطفیٰ ﷺ کی شناخت و پہچان مشکل ہو جاتی ہے۔ تو قدرت کی جانب سے ہر صدی کی ابتداء میں ایک دیدہ ور اور عہد ساز

شخص کو بھیجا جاتا ہے۔ جو بلا خوف لومۃ لائم دین کو از سر نو زندہ و تابندہ کرتا ہے۔ اور شریعت میں داخل شدہ بدعات و خرافات اور شرک و کفر آمیز نظریات و معتقدمات کی تعمیر کرتا ہے۔ اور اس عہد آفریں و تاریخ ساز شخصیت کو مجدد کہا جاتا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث میں واضح الفاظ میں دعوتِ اصلاح کا کام آنے والی نسلوں کی زبان پر جاری رہنے کا پتہ دیتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید ارشاد ہے: "وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ "۔[3] "اور اللہ تعالیٰ چلادے تم کو اُن کے صحیح راستے پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں" اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے کے صلحاء اُمت کے صحیح راستوں کی رہنمائی کی طرف تم کو متوجہ فرماتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا دعوت و تبلیغ کا کام تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

" وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ "۔[4] اور آئندہ آنے والے لوگوں کی زبانوں پر میری دعوت کا چرچا صداقت کی بنیاد پر جاری رکھئے۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ خاصانِ اللہ کے مقبول ترین بندے جن میں اللہ کے رسولوں اور نبیوں کا مرتبہ سب سے بڑا ہے، ان کی آرزو رہی کہ سچائی کی بنیاد پر انہوں نے رضائے الٰہی کے تحت دعوت دین اور اصلاح کا جو کام کیا ہے اُسے دنیا میں بھلایا نہ جائے۔ اس کے لئے انہوں نے دعا بھی کی یا الٰہی ہمارا یہ دعوت واصلاح کا کام آنے والی نسلوں کی زبانوں اور آوازوں میں جاری رکھئے اور ہمارا روشن کیا ہوا چراغ بجھنے نہ دیجئے۔

"إن الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها"۔[5]

اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے آغاز میں ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے، جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔

امت کے مجددین و مصلحین، (جنہوں نے تجدید واحیائے دین کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں، کی روشن و تابناک خدمات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں، اور ان میں سے چند مجددین و مصلحین مندرجہ ذیل ہیں، جن پر امت کے سواد اعظم کا اتفاق ہے۔

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز (المتوفی، 101ھ) امام اعظم ابو حنیفہ (المتوفی ۱۵۰ھ) امام دار الہجرۃ امام مالک بن انس (المتوفی ۱۷۹ھ) الامام الشافعی (المتوفی ۲۰۴) امام احمد بن حنبل المتوفی (241ھ) حجۃ الاسلام امام غزالی (المتوفی، ۵۰۵ھ) علامہ ابن تیمیہ (المتوفی، ۷۲۸ھ) شیخ احمد سرہندی مشہور بہ مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) اور شیخ الاسلام امام شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی (المتوفی، 1176ھ) رحمہم اللہ عنہم۔

اوپر درج کی گئی دونوں آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم سے پہلے صلحاء امت اور مصلحین کے اہم کارناموں کی طرف ہم کو توجہ دینی چاہیئے۔ انبیاء و مرسلین ﷺ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی حیثیت اور مرتبہ عند اللہ اور عند الخلق سارے انسانوں سے زیادہ بلند و اعلیٰ ہوتا ہے منصب رسالت پر فائز انسانوں کو مقبولیت کی اللہ کی طرف سے خاص سند رہتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور مرسلین ﷺ کے جن متبعین کے کاموں کو اللہ نے پسند فرمایا ان کی تعلیمی یادگار اور ان کی خدمات کا نمونہ بعد میں آنے والوں کے لئے اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ ہندوستان میں جن حالات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کو اللہ نے وجود کا جامہ بخشا اور بھیجا، اس زمانے کے جو حالات تھے، ان سے ہندوستان کے اہل علم خوب اچھی طرح واقف ہیں۔[6]

---

[2]: عطاء الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے افکار و نظریات، طبع، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، سن اشاعت، 5 مئی 2004ء، ص 7

Atta Ur Rehman Qasmi , Shah Wali Ullah or inke Ifkar o Nazriyat , Tibba , Shah Wali Ullah Institute Ashat 5 May 2004 , Pg 7

[3] القرآن 4 : 26

Al-Quran 4 : 26

[4] القرآن 84 : 26

Al-Quran 26 : 84

[5] ابوداؤد، سنن ابی داؤد، دار الکتب الاعلمی، بیروت، لبنان، حدیث نمبر 4291

Abu Dawood , Sinan Abhi Dawood , Dar Ul Kutub Al almi Beroot Lebnon , Hadith 4291

[6] عطاء الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے افکار و نظریات، طبع، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، سن اشاعت، 5 مئی 2004ء، ص 20

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا کتاب "انفاس العارفین" میں اللہ تعالیٰ نے جوان پر انعام کیا، ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

تجزیہ افکار و حکم میں صاحب نگارش و اظہار کا اپنا شعور و ادراک (Perception) بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ غلو د مبالغہ یا کسر وانکسار سے قطع نظر، وہ اس کے اپنے افکار و عطایا کا اندرونی تجزیہ پیش کرتا ہے۔ اس لحاظ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان ہے کہ : "خاکسار پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے "خلعت فاتحیہ'' سے نوازا اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا۔ اور مجھے اس طرح رہنمائی کی گئی کہ فقہ کے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں۔ اسی طرح اسرار حدیث، مصالح احکام، ترغیبات اور جو کچھ حضور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے، ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ وقیع بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے۔ اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گذرے تو اسے شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کی کتاب "قواعد کبری" دیکھنی چاہئے جس میں انھوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عشر عشیر تک نہیں پہنچ پائے۔ اور طریقہ سلوک، جو کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور جسے اس دور میں رائج ہوتا ہے، وہ مجھے الہام کیا گیا مجھے کمالات اربعہ - یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی۔ جو اس دنیا کے طول و عرض میں موجود ہیں اور نفوس انسانیہ کی استعداد اور ان کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گرد تک نہیں پہنچا۔ اور حکمت عملی جس کے ذریعہ اس دور کی اصلاح کی جاسکتی ہے، مجھے پوری طرح ودیعت کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ کے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے ذریعہ اس حکمت عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بھی بخشی کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے منقول ہے یا دین میں جو کچھ اضافے کئے گئے ہیں یا ریف کی گئی ہے اور جو کچھ سنت ہے یا ہر فرقے نے جو نئی چیزیں دین میں رائج کی ہیں، ان تمام کی مجھے پرکھ عطا کی گئی ہے" [7]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خود احتسابی اور نفسی تجزیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی احتساب میں جو اختصار و اشارت پائی جاتی ہے وہ ان کے افکار و عطایا کا محض ایک پرتو پیش کرتی ہے۔ ان کے خیالات و نظریات کا اظہار مختلف علوم و فنون کے حوالے سے ہوا ہے۔ لہذا مختلف اہل قلم و صاحبان تحلیل کی مانند الگ الگ موضوعات کے ذریعہ اس کا ایک محض جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ آغاز کتاب الہی اور اس کے فنون سے کیا جارہا ہے کہ وہ دین اسلام و حکمت اسلامی کی اولین بنیاد و اساس بلکہ نہاد و فطرت ہے اور فکر ولی اللہی کی اصل روح بھی۔

قرآنیات

قرآنیات میں فکر ولی الہی کا اظہار ان کی تین چار کتابوں۔ فتح الرحمن و مقدمہ الفوز الکبیر، فتح الخیر اور مقدمہ در قوانین ترجمہ میں ہوا ہے۔ شاہ صاحب کا بنیادی موقف یہ ہے کہ قرآن مجید چھوٹے چھوٹے خطبات کا مجموعہ ہے جن کو ایک سورت کے قالب میں نظم و ترتیب و حسن علاقہ کی بنا پر گوندھ دیا گیا ہے۔ جب متعدد مجموعہ آیات یا خطبات آجاتے تو وہ سورت کی شکل اختیار کر لیتے اور آیتوں کی سورتوں میں ترتیب اور سورتوں کی یکے بعد دیگرے ترتیب و تنظیم ارشاد انہی کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے فرمائی تھی اس لئے وہ توقیفی تھی۔ قرآن مجید کے یہ خطبات دراصل عرب اول یا معاصر من نبوی کے طریقہ تقریر و اظہار کے مطابق تھے۔ ان میں منطقی ترتیب اور سلسلہ بہ سلسلہ دلائل کی تنظیم کا التزام نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ بعد کے لکھنے والوں کا ہو گیا ہے۔ اس طریقہ اظہار میں حکمت یہ تھی کہ وہ نافع ہو اور دل میں اتر جائے۔ اس نفع رسانی کی حکمت کی بنا پر قرآن مجید میں مختلف اسالیب اور ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف التفات ملتا ہے اور ایک ہی علم کا بیان مرکز نہیں کیا جاتا بلکہ پانچوں علوم قرآنی بار بار تعریف کے طریقہ سے لائے جاتے ہیں۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ پانچوں یا دو تین ترتیب سے یا یکے بعد دیگرے آئیں بلکہ ایک خطبہ کو دوسرے خطبہ سے اور دوسرے کو تیسرے سے

Atta Ur Rehman Qasmi , Shah Wali Ullah or inke Ifkar o Nazriyat, pg 20

[7] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، انفاس العارفین، طبع، فرید بک اسٹال، لاہور، ج ۷/ص، ۴۰۲

Shah Wali Ullah , Muhadas Dehlvi Rehmatullah Aleh , Anfas ul Arfeen ,Tibba , Fareed Book Stall Lahore, Vol. 7, Pg 402

مخصوص آہنگ کے ذریعہ پر دیا جاتا اور وابستہ کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات مضمون کی مناسبت کی بنا پر دو خطبوں کو آپس میں جوڑ دیا جاتا ہے حالانکہ ان میں اسلوب کا بہت فرق ہوتا ہے۔ لیکن ایسا بہت ایک کم ہوا ہے۔ اسالیب کے آہنگ کی رعایت زیادہ کی گئی ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام منطوق ہے جو وحی کی صورت میں مختلف طریقوں سے رسول اکرم ﷺ کے قلب مبارک پر القا کیا جاتا تھا۔ الفاظ اور ان کے معانی دونوں اللہ تعالیٰ کے کلام کے اجزاء ہیں اور دونوں وحی الٰہی ہیں۔ معانی کے بغیر الفاظ کا قائم رہنا ممکن ہے اور الفاظ اپنے معانی سے جدا نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید کی آیتوں، سورتوں، جملوں اور عبارتوں کے وہی معانی و مفاہیم اصلی اور الٰہی مراد ہیں جو ایک صاحب زبان کلام سنتے ہی سمجھتا ہے۔ ان کو علامہ ابن تیمیہ نے متبادر معانی کا نام دیا ہے۔ الفاظ و معانی قرآن کی تفہیم ایک عالمی اور ایک عالم اپنی اپنی ذہنی سطح اور عیار فہم کے مطابق کرتا ہے جن کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ نزول قرآن کے بعد رسول اکرم نے جوں ہی اس کی تلاوت صحابہ کرام کے سامنے کرتے تھے، جن میں مرد و عورت، شہری و بدوی، عالم و عامی سب ہی شامل ہوتے تھے، وہ فوراً ان کے معانی کا ادراک کر لیتے تھے حتیٰ کہ ایمان و عقیدہ سے محروم کفار مکہ و عرب بھی مومنین صادقین کی مانند ان کے صحیح معانی پا لیتے تھے اور ان کے مفاہیم، جہات اور اثرات کا ادراک کر لیتے تھے، اگرچہ اپنی ہٹ کی وجہ سے انھیں تسلیم نہ کرتے تھے۔ بنیادی طور پر قرآن مجید پانچ علوم یا مضامین پر مشتمل ہے جو بالترتیب یہ ہیں:

(۱)، علم احکام (حرام و حلال، فرض و واجب، مستحب و مکروہ وغیرہ، خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے)

(۲)، علم مناظر (یہ علم کلام ہے جو غیر مسلم طبقات۔ یہود و نصاریٰ، مشرکین و منافقین کے عقائد و نظریات سے متکلمانہ بحث کرتا ہے)

(۳)، علم تذکیر بالاء اللہ (انفس و آفاق اور تمام مخلوقات کائنات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی یاد قائم کرنے کا علم ہے)

(۴)، علم تذکیر بایام اللہ (قرآنی قصوں اور تاریخی واقعات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی اور توحید یاد دلانے کا علم رعلم ہے)

(۵)، علم تذکیر بالموت وما بعدہ (موت اور دوسری دنیا کے احوال و معاملات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی تسلیم کرنے کا علم ہے)۔

اسباب یا شان نزول میں شاہ ولی اللہ کی بنیادی فکر یہ ہے کہ:

بعض دوسرے محققین کی بھی کہ کسی آیت یا مجموعہ آملیت کے نزول کا بنیادی سبب کوئی زمانی یا مکانی واقعہ یا سبب ہو سکتا ہے مگر نزول کے بعد اس کا حکم و اطلاق آفاقی اور ابدی ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مخصوص سبب و واقعہ یا پس منظر سے وابستہ ہوتے ہوئے بھی اس میں منحصر یا محدود نہیں رہتا۔

اسی بنا پر شاہ موصوف اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ قرآن مجید میں نسخ نہیں پایا جاتا ہے۔ انھوں نے قدماء کے وسیع دائرہ فتح کو اپنے طریقہ تطبیق کے تحت سمیٹ کر صرف پانچ آیات کریمہ تک محدود کر دیا تھا کہ صرف پانچ آیات قرآنی منسوخ ہیں یا ان کے صبح کو تطبیق کے ذریعہ دور کرنے میں وہ قاصر رہے۔ بقول مولانا عبید اللہ سندھی شاہ صاحب نے صرف مصلحت وقت کی خاطر ایسا کیا، ورنہ ان پانچ آیات کا نسخ بھی دور کر سکتے تھے لیکن معتزلی ہونے کے الزام سے بچنے کے لئے انھوں نے پانچ آیات میں نسخ مان لیا۔ صحیح بات یہی ہے کہ قرآن مجید میں نسخ نہیں پایا جاتا اور نہ شیخ کا وہ مفہوم ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ وہ نسخ کو ایک اجتہادی و استنباطی معاملہ مانتے ہیں جس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی نظر میں تفسیر قرآن مجید کے باب میں فکر ولی الٰہی کی دو سطحیں ملتی ہیں

(1)، طلبہ کی تعلیم و تدریس میں وہ تفسیری کتابوں سے استفادہ اولین مرحلہ میں صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ طالب علم میں جب عربی زبان و قواعد کی ضروری صلاحیت پیدا ہو جائے تو براہ راست قرآن مجید کا متن پڑھایا جائے اور الفاظ و عبارت کی تفہیم کے لئے لغات عرب سے مدد لی جائے۔ بعد کے مرحلوں میں جلالین پڑھادی جائے جس کی تشریحات الفاظ قرآنی سے کم ہیں اور صرف معانی و مفاہیم کی ترسیل و ابلاغ کرتی ہیں۔ بعد کی سطح میں وہ تفاسیر کی تدریس و تعلیم اور ان سے استفادہ کے بھی قائل تھے کہ اصل متن قرآن کی تفہیم کے بعد جب کوئی شخص مفسرین کی تشریحات و تفاسیر پڑھے گا تو وہ ان کے افکار و خیالات اور انغلاط کی بنا پر اصل متن کی تفہیم میں غلطی نہیں کرے گا۔ قرآن مجید کی ہر آیت و کلمہ کی تفسیر و تشریح کے بھی قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمن میں صرف ضروری جگہوں پر حواشی و فوائد لکھتے ہیں، دورنہ آیات کریمہ کے لفظی و بامحاورہ ترجمہ ہی کو ابلاغ مطالب کے لئے کافی سمجھا ہے۔

(2)،ایک قرآنی بحث محکمات اور متشابہات سے متعلق ہے جس کے باب میں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ موخر الذکر کے معانی ومفاہیم انسان کی فہم و گرفت سے بالا ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃاللہ علیہ متکلمین کی مانند ان کی تشریح میں غلو نہیں کرتے تھے بلکہ امام مالک، ثوری، ابن مبارک اور دوسرے تمام قدماء کی مانند یہ خیال رکھتے تھے کہ متشابہات کے معانی و مفاہیم بھی کوشش کر کے جانے جا سکتے ہیں۔اسی کو قرآن مجید نے رسوخ فی العلم کہا ہے اور واضح کیا ہے کہ راسخین فی العلم ان کے معانی کا ادراک کر سکتے ہیں۔ حروف مقطعات کو اسی زمرہ میں رکھا جاتا ہے ۔ شاہ صاحب بعض مفسرین کی مانند اس بات کے قائل تھے کہ بعض حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں۔اور بعض ان اوصاف کلی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ان کی سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔مزید برآں حروف مقطعات کے علم سے کلام استطرادی کی فہم پر اثر نہیں پڑتا۔

تحریف آیات کے باب میں شاہ صاحب کا نقطہ نظر

یہ ہے کہ لفظی تحریف کی جگہ تاویل و تفسیر کی تحریف یا معنوی تحریف تھی جو یہود و نصاری اپنی اپنی کتابوں میں کرتے تھے۔ پھر ان کی الہامی کتابیں۔تورات و انجیل وغیرہ حدیث قدسی کی مانند ہیں کہ الفاظ تو ان کے مرتبین کے ہیں اور معانی الہام الٰہی کے ہیں۔شاہ صاحب سابقہ صحف سماویہ کے متون کے محفوظ ہونے کے قائل تھے،البتہ ان کو بخاری و مسلم کی صحاح کی طرح تسلیم کرتے تھے جن میں کلام الٰہی کے ساتھ کلام انبیاء بھی موجود ہے۔ تحریف اسی بنا پر زیادہ خطرناک ہے کہ الفاظ کو بدلنے کی بجائے کلام کو اس کے ظاہری معانی سے موڑ کر اپنے پسندیدہ مطلب کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ بلاغت زبان و فصاحت کلام کے لحاظ سے بھی قرآن مجید عظیم ترین و بے مثال ترین کلام ہے۔اسی بنا پر عرب اولین اس سے فوری طور پر متاثر ہوتے تھے۔چونکہ قرآن مجید اپنے احوال نزول کے علاوہ تمام زمان و مکان کے حالات کے تقاضے پورا کرتا ہے اسی بنا پر اعظم واجل وانجل علوم ہے اور تا قیامت اپنی اس خصوصیت کی بنا پر باقی رہے گا کیونکہ محفوظیت قرآن کی ضمانت کلام قرآن کی مطابقت حال سے فراہم ہوتی ہے۔

حدیثیات

تدوین حدیث کے باب میں فکر ولی الٰہی بہت واضح ہے کہ عصر اول میں کتابت حدیث نہیں ہوتی تھی۔ پہلی صدی ہجری کے بعد اس کی کتابت کا اہتمام شروع ہوا اور دوسری صدی ہجری کے بعد اس کی تکمیل کا مقام آیا۔

شاہ صاحب کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے صحت کے لحاظ سے کسب حدیث کی درجہ بندی کی ہے اور اس سے زیادہ یہ تحقیق حیران کن ہے کہ اصل کتاب حدیث وفقہ امام مالک بن انس مدنی رحمۃاللہ علیہ (۱۷۹ / ۸۱۵-۹۷ / ۷۹۵) کی "موطا" ہے اور باقی تمام کتب صحاح اس کی شروح۔ صحاح ستہ کے مؤلفین اور حاکم متدرک نے امام مالک کی مراسیل کو موصول اور موقوف کو مرفوع بنانے کی بے انتہا سعی کی ہے گویا یہ تمام کتابیں، "موطا" کی شروح اور تکمیلے (متممات) ہیں۔ صحیح بنانے کی بے انتہا سعی کی ہے گویا یہ تمام کتابیں موطائی شروح اور عملے ہیں۔" صحیح مسلم "، "سنن ابی داؤد "، "سنن نسائی "اور" صحیح بخاری "اور" جامع ترمذی "کے ابواب فقہ جیسی تمام کتابیں" موطا "کے متخرجات (نکالی ہوئی) کتب ہیں۔[8]

شاہ صاحب نے افضیلت اور برتر منزلت "موطا" کے لئے کئی ٹھوس دلائل دیئے ہیں:

ایک یہ کہ "موطا" کی احادیث کی اسناد میں راویوں کی تعداد سب سے کم ہے۔وہ تین چار سے زیادہ نہیں بڑھتی،دوسرے بیشتر راوی مدنی ہیں جو سب کے سب معروف و مشہور ہیں اور اس بنا پر معتمد و معتبر ہیں۔ان رواۃ میں زیادہ تر ایسے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قضایا اور فتاویٰ کے سب سے بڑے عالم تھے اور جن پر فقہ اور مذاہب فقہ کا دار و مدار ہے۔

---

[8] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃاللہ علیہ،المسوی، طبع،دار العلوم ھند۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃاللہ علیہ،المصفیٰ ، طبع،مکتبہ نور،لاہور ، ج 1 ، ص 119
Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi may Allah be pleased with him, Al-Maswi, Tabab, Darul ,Uloom Hind. Al-Musafah, Tibba, Maktaba Noor Lahore , Vol.1 , Pg 119

امام مالک رحمۃاللہ علیہ کی کتاب "موطا" نہ صرف ان فقہاء کرام بلکہ دوسرے محدث وفقیہ صحابہ کرام وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کا عظیم ذخیرہ ہے اور اُن کے اقوال وآثار علماء اسلام اور فقہا ومحدثینِ مدینہ رحمۃاللہ علیہم کے نزدیک مختار وپسندیدہ اقوال ہیں کیونکہ مدینہ منورہ "روح بلاد ودل امصار" تھا۔

تمام ممالکِ اسلامی سے علماء ومحدثین ہر زمانے میں مدینہ منورہ آتے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کرتے رہے۔اس سے یہ اصول مسلم ہو گیا تھا کہ علماء واہل مدینہ کے پاس جو علوم منقح (جھوٹ سے پاک کیا گیا) ہو جاتے تھے وہ دوسروں کے پاس نہیں ہوتے تھے۔امام مالک رحمۃاللہ علیہ نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس بناپر کم روایت کی ہے کہ وہ مدینہ کے باہر مقیم ہو گئے تھے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃاللہ علیہ کی کتاب "المصفیٰ" میں جب امام مالک رحمۃاللہ علیہ کو جب کوئی حدیث نبوی ﷺ نہیں ملتی تھی تو آپ رحمۃاللہ علیہ اہل مدینہ کا عرف وروش اختیار کرتے تھے جس کے بارے میں یہ قوی احتمال ہوتا تھا کہ وہ سنت نبوی ﷺ وصحابہ رضوان اللہ علیہم سے مستفاد ہوگا۔شاہ صاحب رحمۃاللہ علیہ نے "المصفیٰ" میں اس بناپر یہ یقین ظاہر کیا ہے کہ موجودہ حالات میں طریقِ اجتہاد وفقہ مسدود رہے گا، یعنی احکام شرعیہ کی تفصیل ودلائل کے ذریعہ معرفت ممکن نہ ہو گی سوائے ایک صورت کے کہ "موطا" کو پیشِ نظر رکھا جائے،اسی سبب سے شاہ صاحب رحمۃاللہ علیہ اس امر کے قائل تھے کہ جب طالب علم عربی زبان وادب کی ضروری لیاقت حاصل کرلے تو اسے یحیی بن یحیی مصمودی کی مرتب کردہ "موطا" پڑھائی جائے اور اس کی تعلیم معطل نہ کی جائے کہ وہی علم حدیث کی اصل ہے اور اس کی تعلیم بڑے فضائل کی حامل ہے (وصیت نامہ)۔[9]

اسی بناپر وہ حدیث کی کتابوں کی درجہ بندی میں "موطا" کو اوّل اور سرِ فہرست رکھتے ہیں اور درجہ اوّل میں اس کے بعد بخاری ومسلم کو رکھتے ہیں۔ پھر درجہ دوم کی کتابیں "جامع ترمذی"، "سنن ابی داوٗد" اور "سنن نسائی" ہیں، جبکہ درجہ سوم میں وہ کتابیں ہیں جن میں صحت کا التزام نہیں رکھا گیا جیسے "مسند ابی یعلی"، "مصنف عبد الرزاق"، "مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ" اور کتب "بیہقی" و"طبرانی" اسی طرح شاہ صاحب رحمۃاللہ علیہ نے درجہ چہارم کی کتابوں کی درجہ بندی "سنن نسائی" ہیں، جبکہ درجہ سوم میں وہ کتابیں ہیں جن میں صحت کا التزام نہیں رکھا گیا جیسے "مسند ابی اعلی"، "مصنف عبد الرزاق"، "مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ" اور کتبِ بیہقی وطبرانی۔درجہ چہارم کی کتابوں کا سراغ اولین دور میں نہیں ملتا،البتہ متاخرین نے ان کی روایات لی ہیں جیسے،ابن حبان کی کتاب "الضعفاء"،ابن عدی کی کتاب "کامل"، "مسندِ خوارزمی" اور خطیب بغدادی کی تمام کتابیں۔آخری دو درجات سوم وچہارم کی کتبِ حدیث قابل اعتماد واعتبار نہیں کیونکہ ان میں بہت سی روایات ضعیف ہیں۔شاہ ولی اللہ رحمۃاللہ علیہ اسی بناپر "سنن ابن ماجہ" کو بھی ضعیف احادیث کا مجموعہ قرار دیتے ہیں اور اس کی روایات سے استدلال صحیح نہی سمجھتے۔

کتبِ حدیث کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ رحمۃاللہ علیہ کی درجہ بندی

کتب احادیث کی صحت کے لحاظ سے درجہ بندی نے تحقیق حدیث اور قدیم آثار کا ایک باب کھولا، صحیح وضعیف کا امتیاز پیدا کیا، معتبر وناقابل اعتبار کی حد بندی قائم کی اور استفادہ کی حدود مقرر کیں۔اس سے زیادہ اہم کارنامہ یا نتیجہ یہ ہوا کہ کمزور وسقیم روایات سے سرچشمہ حدیث کو صاف کیا اور یہ اصول قائم فرمایا کہ صحیح احادیث سے جب اعمال واستنباط کا معیار قائم رکھا جا سکتا ہے تو ضعیف روایات سے استفادہ کیوں کیا جائے اور فرق ضالہ، مخالفین اسلام اور اعداءِ دین کو کیوں اسلام کے خلاف ہتھیار تھمایا جائے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃاللہ علیہ اس جماعت محدثین کے خلاف اور اس کے شدید ناقد تھے، جو علم حدیث میں اجتہادی ملکہ اور تحقیقی ذوق کے مالک نہ تھے کیونکہ انھوں نے محققینِ فن سے اس کا علم حاصل نہیں کیا تھا۔وہ رواتی مسلک کے عامل اور ملت مصطفویہ ﷺ

9 محمد یٰسین مظہر صدیقی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شخصیت وحکمت کا ایک تعارف، طبع، علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیوسٹی، علی گڑھ، ص 27،28
Muhammad Yasin Mazhar Siddiqui, Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi may God bless him and grant him peace, An Introduction to Personality and Wisdom, Nature, Islamic Studies, Aligarh Muslim University, pg 27,28

کے سوفسطائی گروہ تھے کہ نہ وہ تقلید سے ہی پوری طرح وابستہ تھے اور نہ اجتہاد سے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ غیر محققین حدیثِ آثار واحادیث کے اختلاف کو دور کرنے اور ان میں تطبیق پیدا کرنے اور صحیح احادیث کو مدون کرنے میں ناکام رہے۔

وہ احادیث کے درمیان صحیح وغیر صحیح کی تمیز نہیں رکھ سکے اور لاطائل (بے سود، فضول) فقہی اور کلامی مباحث میں الجھ کر رہ گئے۔ نقدِ احادیث میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مجتہدانہ مقام کے بہت معترف ہیں، کیونکہ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح احادیث کو غلط روایات سے الگ اور ممیز کرنے کا معیار اور اصول بنایا۔ اس کے باوجود وہ بعض اصول بخاری سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کا ایک اصول یہ ہے کہ کسی امر پر اگر دو الفاظ کا احتمال پایا جائے تو ہر دو سے بطور دلیل مسئلہ اخذ کرنا۔ بعض محققین نے اس کو قبول نہیں کیا۔

شاہ صاحب کا متعارض احادیث و متصادم روایات میں اصول

آپ رحمۃ اللہ علیہ ولی الٰہی کی فکر میں بظاہر متعارض احادیث و متصادم روایات میں تطبیق کے اصول کو بہت اہم مقام حاصل ہے اور جس طرح انھوں نے صحاح کی احادیث میں تطبیق کر کے عملاد کھائی ہے وہ نادر و بے مثال بھی ہے اور فن حدیث میں ان کی جلالت شان کی دلیل بھی۔ اصل بات یہ ہے کہ تطبیق کا کام وہی محدث فقیہ انجام دے سکتا ہے جو روح حدیث سے واقف اور فن حدیث میں تجربہ علمی رکھتا ہو اور جس کی نظر محض ظاہر الفاظ پر نہ رک جائے بلکہ وہ ہر مسئلہ، معاملہ اور امر کی تہہ تک اتر جائے۔

اسی فنی تجربہ (زی علم ہونا) اور علمی درائی کے نتیجہ میں فقہ حدیث کا علم اور اسرار و رموز حدیث کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے قبل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں اور عزالدین عبدالسلام نے "القواعد الکبری" میں اور ممکنہ طور سے بعض دوسرے محققینِ حدیث نے اپنی کتب میں فقہ واسرار حدیث کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ بہت زیادہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اسرار و رموزِ دین کا پتہ لگانے اور روحِ حدیث کی تہ تک پہنچ جانے کی زبردست صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ ان کی بہت سی کتابوں میں اس علمی دراکی اور تجرِ فنی کی مثالیں ملتی ہیں لیکن ان کی شہکار تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" اس کا نایاب خزانہ ہے۔ دین و معاشرت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے کہ جس کے اسرار و رموز کو انھوں نے اپنے ناخن تدبر سے کھولا نہ ہو۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ کا بنیادی مقصد

اسلامی فقہ کا بنیادی ماخذ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف قرآن مجید ہے اور حدیث قرآن مجید کی شرح ہونے کے سبب دوسرا ضمنی ماخذ ہے۔ ان دونوں کے باہمی رشتہ کو سمجھے بغیر فقہ یعنی استنباط احکام کا فریضہ نہیں انجام دیا جا سکتا۔ بعد میں اجماع و قیاس کے دو مزید ذیلی اصول کا اضافہ کیا گیا لیکن ان کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق ہوں جیسا کہ سنت وحدیث کے لئے یہ لازم ہے کہ قرآن و روح قرآن سے متصادم نہ ہو۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فقہی آراء اور خلیفہ سوم کے زمانے تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق کو اجماعِ امت قرار دیتے ہیں۔ اور جبکہ خلیفہ وقت اگر صحابہ یا اصحاب دانش رضی اللہ عنہم کے مشورے اور اتفاق سے کوئی قاعدہ جاری کر دے اور دو اُمت کے علماء و عوام الناس میں سے اس کو قبولِ عام حاصل کرلے تو وہ اجماع بن جاتا ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس اتفاق کو اجماع قرار دیا گیا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی آراء کو اجتماعیات کا نام دیتے ہیں۔

بعد کے ادوار میں مجتہدوں اور فقیہوں کی سرکردہ جماعت کے اتفاق کا نام اجماع ہے۔ لیکن ان کا اتفاق کلی ناممکن ہے۔ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا فکری نظریہ بڑا مفکرانہ ہے، کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر جو اتفاق و اجماع نہ ہو سکا وہ مختلف فیہ مسئلہ رہا اور ہمیشہ رہے گا اور تا روزِ قیامت اس پر اتفاق نہ ہو سکے گا۔ اسی بنا پر وہ یہ فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کی اصل شیخین کی اجتماعیات ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس وجہ سے فقہ فاروقی جمع کر کے "ازالۃ الخفا" میں شامل کر دی کہ وہ تطبیقِ مذاہب اور اجماعِ اُمت کی ایک صورت و مثال فراہم کرتی ہے۔

عہد اول میں شخصِ واحد کی تقلید کا تصور

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس بناپر انتباہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اول زمانے میں کتب، موطات، تالیفات، مسانید، جوامع کی شکل میں مسائل مدون کرنے کا دستور نہ تھا۔ جبکہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "موطا" تحریر کر ڈالی۔ انہوں نے ایک فقہی مسلک کی بنیاد ڈال دی۔ شخصِ واحد کی آراء و فتاوٰی کو اُمت مسلمہ کے تمام افراد کے لئے لازم نہ کرنے یا تقلیدِ فرد کا اُصول نہ قائم کرنے کی حقیقت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بھی پیش نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے خلیفہ عباسی المنصور کے اصرار کے باوجود "موطا" کو پوری مملکتِ اسلامی کے لئے لازمی و دستوری کتاب بننے کی اجازت نہیں دی تھی۔

لیکن تیسری صدی ہجری میں یا زیادہ سے زیادہ دوسری صدی ہجری کے اختتام کے وقت سے متعین مجتہد کی تقلید اور اس کے اُصول فقہی کو راہنما خطوط بنانے کا قاعدہ چل پڑا اور اس بناپر مستقل مجتہد وجود میں آگئے اور اُن کے مسالک فقہ بھی۔ یہیں سے تقلید مذہب کا طریقہ شروع ہوا اور چوتھی صدی ہجری سے وہ لازمی ہو گیا کہ مستقل مجتہدین کرام کا طبقہ بھی ختم ہو گیا۔ اب مجتہدین في المذهب یا بقولِ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مجتہد منتسب پیدا ہونے لگے اور ان کا وجود قیامت تک کے لئے ہو گیا۔ تاہم اجتہاد ہر دور میں فرض کفایہ رہے گا کیونکہ اس کا منقطع ہونا شرعی صورت سے جائز نہیں ہے۔

اگرچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی فطرتِ تقلید جامد یا شخصی تقلید سے فطری طور سے ابا (خطاب کرنے کا لفظ) کرتی تھی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انھوں نے ملکی مذہب فقہ حنفی کی نہ صرف خود پابندی کی نہ صرف اصول میں بلکہ فروع میں بھی، بلکہ اس کی تعلیم وتدریس اور تبلیغ وارشاد کرتے رہے۔ اس کی بنیادی وجہ مصلحت وقت نہیں تھی بلکہ امت مسلمہ ہندیہ کی ضرورت واجتماعیت تھی۔ شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بنیادی فکر یہ تھی کہ فقہ اسلامی کا بنیادی سرچشمہ موطا امام مالک ہے، اور نتیجتاً فقہ مالکی یا مسلکِ مالکی تمام مسالک فقہ بالخصوص مذاہب اربعہ کا منبع ہے، کیونکہ حنفی فقہ کے سب سے بڑے مرتب و مولف امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲ھ/۷۴۹ء- ۱۸۹ھ / ۷۹۶ء) اور فقہ شافعی کے سب سے بڑے امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء-۲۰۴ھ/۸۲۰ء) دونوں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور دونوں نے ان سے "موطا" کا درس لیا تھا، اور موطا ہی ان کی فقہی آراء اور ان کے مسالک کی بنیاد ہی تھی۔ ان دونوں میں محض چند فروع کا اختلاف پایا جاتا ہے ورنہ بنیادی طور سے اصولیات میں وہ متفق ہیں اور یہ اختلاف ان کے اپنے اپنے اجتہادات اور ان کے نتیجہ میں یکساں امور ومسائل میں جداگانہ طرز فکر اور فکری رویہ اپنانے کے سبب پیدا ہوا ہے۔ فقہی جمود اور کٹرپن مسلکی عصبیت سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر صحیح نیت، صحیح علم، اور اجتہاد کی صحیح قوت ہو اور اصل کتاب وسنت کی طرف صحیح طریقہ سے رجوع کر کے مسائل وامور کا استنباط کیا جائے تو یہ فروعی اختلافات بھی دور کئے جا سکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی معرفتِ حدیث وفقہ نے ان پر یہ حقیقت بھی ظاہر کر دی تھی کہ حق چاروں مسالک فقہ مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی میں دائر، موجود اور خون کی طرح گرداں ہے،[10]

، صرف احسن یا بہتر نقطہ نظر اور صحیح تر عمل کی بات ہے اس لئے وہ ان چاروں مذاہب سے باہر جانے کا خیال بھی نہیں لاتے تھے اور لوگوں کے لئے بھی ضروری سمجھتے تھے کہ دوانہیں چاروں فقہی مسالک میں سے کسی نہ کسی کی اتباع ضرور کریں۔ البتہ وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ جہاں اور جب حق نظر آجائے اور ثابت ہو جائے تو اسے قبول کر لیں اور محض مسلکی تشدد و عصبیت کی وجہ سے اس پر نہ اڑے رہیں کیونکہ تمام امامانِ فقہ کا یہی نظریہ، فکر، مسلک اور رویہ رہا ہے۔

جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حق چاروں مذاہب میں دائر ہے اور ان میں اختلاف اور وہ بھی فروعی حسن نیت و حسن فکر کی بنا پر پایا جاتا ہے تو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تطبیق کی آرزو جاگی جو ان کے فکر و نظر اور حکمت و فلسفہ کی ایک اہم صورت تھی۔ وہ چاروں مذاہب کے اختلاف ظاہری کو دور کرنے کی سبیل نکالنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ عالم اسلام بالخصوص برصغیر پاک وہند کے پسِ منتظر میں انھوں نے یہ تجویز رکھی کہ حنفی اور شافعی مسالک کو سب سے زیادہ قبول عام حاصل ہے کہ ان کی کتب فقہ بھی سب سے زیادہ ہیں، ان کے علماء اور مجتہدین بھی اکثریت میں ہیں اور ان کے پیرو اور مقلدین بھی لہذا یہ بات

---

10 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، عقدِ الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ، طبع، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص 93
Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi, Uqd-e-Jeed fi Akhmat al-Ijtihad al-Taqlid, Tibba , International University Islamabad , Pg 93

ملاءِ اعلیٰ کے علوم کے عین مطابق ہے کہ حنفی اور شافعی مسالک میں ممکنہ طور سے مطابقت پیدا کی جائے۔ان دونوں کے ان تمام آراء وفتاوی کو باقی رکھا جائے جواز روئے حدیث وقرآن ثابت ومسلم ہیں اوران سے اجتناب وگریز کیا جائے بلکہ ان کو سرے سے ختم کردیا جائے جو بے اصل ہیں۔دونوں کے باہمی اختلاف کو دور کرنے کے لئے موطاامام مالک کو ثالث وحکم بنایا جائے کہ وہ نہ صرف ان دونوں مسالک کا سرچشمہ ہے بلکہ اس دورِ آخر میں وہی اجتہاد کا دروازہ کھولنے والی کتاب فقہ ہے۔[11]

حنفی فقہ سے صورتِ تطبیق یوں اخذ کی کہ ائمہ ثلاثہ-ابو حنیفہ ابو یوسف محمد بن حسن رحمہم اللہ عنہم میں سے جس امام کا قول سنت کے قریب تر ہو اسے اختیار کیا جائے۔ظاہر ہے کہ یہ صرف اہل تحقیق ہی کر سکتے ہیں جن کی فطرت میں تحقیق صحیح کا مادہ ہے اور اختلاف وفساد سے گریز کی صلاحیت بھی۔عوام الناس نہ فقیہ ہوتے ہیں نہ مجتہد، وہ اپنے فقیہوں کے پیروکار ہوتے ہیں، لہذا ان کے فقہی خیالات کو چھیڑا نہ جائے۔جب فقیہان مسلک اور مفتیانِ ملت اپنی مسلکی عصبیت کو چھوڑ کر "حق وصواب" کی بات کہیں گے تو وہ اہل تحقیق ومعرفت کے طبقہ سے چھن کر عوام الناس کے طبقات تک پہنچے گی اور بلا فساد و اختلاف ان کے اندر جاگزیں ہوجائے گی، جیسے کہ وہی ان کی فقہ، مسلک اور مذہب ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اولین مجتہدین کے اقوال واصول اور متاخر فقہاء کے اقوال وآراء میں فرق

موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توجہ مجتہدانِ اولین کے اقوال پر رکھی جائے نہ کہ متاخرین پر جو اپنے فکر و نظر کے لحاظ سے ائمہ اولین کے اقوال سے اپنی آراء مستنبط کرتے ہیں۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تطبیقی کتاب "الانصاف" میں اور "ازالۃ الخفاء" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فقہی اختلافات کو دور کرنے اور مختلف مذاہب کے افکار ومسائل میں تطبیق پیدا کرنے کے اصول اور طریقے بتائے ہیں۔حنفی فقہ کے تعلق سے انھوں نے واضح کیا ہے کہ اصل مذہب حنفی متاخرین کی کتابوں میں محدود وموجود نہیں ہے۔

اسی طرح اصول فقہ، جو "بُزدَوِی" وغیرہ کتب اصولیات میں موجود ہیں، بعد کے فقیہوں نے ائمہ اولین کے اقوال وافکار کی روشنی میں وضع کئے ہیں جن کا وجود اصل اماموں کے ہاں نہیں پایا جاتا۔اسی طرح فقہاء بعض اوقات شریعت اور مصلحت میں امتیاز نہیں رکھ پاتے حالانکہ شریعت کے احکام ازلی وابدی ہیں اور مصلحت کے علم میں بہت سی انسانی مفسدات شامل ہوجاتے ہیں۔شارع نے تو دونوں علم عطا فرمائے تھے لیکن فقہاء اللہ پر بھی ایک اور کبھی دوسرا علم مشتبہ ہوجاتا ہے اور وہ غلط نتائج تک لے جاتا ہے۔"الانصاف" میں متعدد فقہی مسائل کی سنت وقرآن کے اعتبار سے حقیقت بیان کی ہے۔ان کا اصل زور اس بات پر ہے کہ جہاں سنت وحدیث اور قرآن کا حکم مل جائے اس پر لفظاً ومعناً عمل کیا جائے اور حدیث وقرآن کے حکم کو ذاتی رائے سے محدود، مشروط یا آلودہ نہ کیا جائے۔

احسان وتصوف

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے نزدیک قرآن مجید اور حدیث مبارکہ کی اصطلاح میں دین کی روح ومغز کا نام احسان وتزکیہ ہے۔قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان دونوں کا استعمال کیا گیا ہے اوران کے عاملین کو محسنین اور طاہرین کہا گیا ہے۔حدیثِ جبریل میں احسان کی تعریف یوں آئی ہے کہ انسان عبادت الٰہی کے وقت اس حال ومقام کا حامل ہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی کر رہا ہو اور اگر یہ مقام مشکل اسے حاصل نہ ہو تو کم از کم اس احساس وشعور کو اپنے دل ودماغ میں جاگزیں کرے کہ اللہ تعالی تو بہر حال اسے دیکھ ہی رہا ہے۔عبادت الٰہی کا مفہوم تمام مومنانہ زندگی کو حاوی ہے، صرف نماز، روزہ، یا معروف عبادات تک محدود نہیں۔بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "آج کل احسان کا نام طریقت ومعرفت ہے"۔[12]

---

[11] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، تفہیمات الالھیۃ ، طبع، مجلس علمی دابھیل الہند، مدینہ برقی پریس بجنور(یو-پی)، ج2، ص22
Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi, Tafihmat al-Ilhiyyah, Tibba Majlis-e-Jlami Dabhil-ul-Hind, Madina Al-Burki Press, Banjoor (U-P) Vol. 2 , Pg 22

[12] شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، طبع، کتاب خانہ مؤسسہ علمی فرہنگی دار الحدیث، ص42
Shah Wali Allah, may God bless him and grant him peace, Qur'an al-Ainin in the description .of al-Shaykhin, book, library of the Institute of Islamic Culture, Dara Lahadith, Pg 42

یا عام اصطلاح میں اسے سلوک و تصوف اور اس کے عاملین کو سالکین و صوفیہ کہتے ہیں، اس علم کو علم باطن بھی کہا جاتا ہے۔[13]
اسی بناپر احسان و تزکیہ، طریقت و معرفت کا رشتہ رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، علمائے امت اور تمام اکابر و صلحاء عہد اول سے جڑ جاتا ہے۔ آداب سلوک اور رسوم طریقت بھی سنت طاہرہ اور طریقت اسلاف سے ماخوذ و مستفاد ہیں۔ طریقت شریعت سے الگ ہے اور نہ شریعت طریقت ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں میں جسم و روح کا رشتہ ہے اور یہ رشتہ عہد اول سے قائم ہے۔
بیعت و ارشاد، فرقہ تصوف اور دوسری رسوم تصوف بلکہ خود لفظ و اصطلاح تصوف دوسری صدی ہجری سے شروع ہوئی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تاریخی طور سے صوفی طریق اور تصوف کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی سے جاری ہونے اور انھیں پر محدود منتہی ہونے کے قائل نہیں کیونکہ بہت سے صوفیہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سلسلہ تصوف کے استاد کو صحیح نہیں سمجھتے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اتصال بھی قابل بحث ہے تاہم اجماع صوفیہ کو ایک حقیقت ثابتہ مانتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں کہ طبقہ بہ طبقہ کے بعد ان کا قاطبہ (تمام) یا حتماً اجماع اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رکھتا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صوفیہ اس اُمت کے مجذوب ہیں اور اُمتِ محمدی ﷺ میں پہلی بار کسی نے یہ باب جذب کھولا ہے یا "فاتح باب جذب" ہے وہ حضرت علی ہیں۔ لہذا تمام سلاسل و طرق اس بناپر ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[14]

تاریخ تصوف کو شاہ صاحب نے چار ادوار میں تقسیم کیا ہے

(۱)، پہلی صدی جس میں احسان تصوف کا حاصل تھا۔
(۲)، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں تعلق باللہ کی نسبت کے حصول پر زور تھا۔
(۳)، شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی کا دور جب صوفیہ اعمال و احوال سے گذر کر جذب تک پہونچے۔
(۴)، اور آخری شیخ اکبر ابن عربی (۱۷ رمضان ۵۶۰ ھ / ۲۸ / جولائی ۱۱۶۵ء - ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کا دور جس میں حقائق تصوف پر زیادہ توجہ کی گئی۔[15]
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی نسبتوں کی تعداد سات بتائی ہے، صحابہ، تابعین اور جمہور صالحین کی نسبت احسان ہے، صوفیہ متقدمین کی عشق و وجد، شیخ جیلانی کی اویسی، نقشبندیہ کی عشق و نور و طہارت کا مجموعہ، سہروردیہ کی نور و طہارت و سکینہ اور کبرویہ کی توحید و عشق و وجد

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے نزدیک تصوف کی سطحیں

فکر ولی الہی میں طریقت و معرفت یا سلوک و تصوف کی دو الگ الگ سطحیں ملتی ہیں۔ ایک فلسفہ تصوف ہے جو اصولی، ماورائی اور نظریاتی بحث کرتا ہے۔ اس کا سوتا صوفی فلاسفہ کے نظریات و افکار اور خیالات سے پھوٹتا ہے۔ اور دوسرا عام رسوم و آداب اور اعمال و اشغال تصوف سے متعلق ہے جن کی تفصیلات و تشریحات صوفی سلسلوں نقشبندی، قادری، چشتی سہروردی، شطاری، شاذلی وغیرہ کے معمولات، کتابوں اور طریقوں میں ملتی ہیں۔ ان دونوں سے صوفیہ اور رہروان سلوک کو احوال و مقامات سے بہرہ مندی حاصل ہوتی ہے۔
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ انسان کے جوارح کی تہذیب اور اس کے لطائف کی اصلاح اعمالِ شریعت سے ہوتی ہے نہ کہ احوال و مقامات سے، لہذا مطلوب و مقصود شرع کے سوا اور کچھ نہیں کہ صُوَرِ نوعیہ (وہ قوت جس کا تعلق مرکب اشیا سے ہو جیسے افیون میں برودت پیدا کرنے کی

---

[13] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل، طبع، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی، ص 79
Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi,, Shifa al-Aleel, translation of Al -Qul al-Jamil, published by HM Saeed Company, Edib Manzil, Karachi, pg 79

[14] نور حسین، قرۃ العینین، طبع، ادارہ احیاء السنۃ گھر جاکھ، ضلع گوجرانوالہ، ص ۹۹-۲۹۸:۳۰۷-۳۰۲
Noor Hussain, Qarat-ul-Ainin, Tibb, Institute of Ahya-ul-Sunnah Ghar Jakh, District, Gujranwala , Pg 99-298 : 302- 307

[15] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، ہمعات، طبع، سندھ ساگر اکادمی لاہور، ص 7-9
Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi (may God bless him and grant him peace), Hamat, Tibba, .Sindh Sagar Academy, Lahore , Pg 7-9

قوت)[16] اس کا تقاضا کرتی ہیں۔ لیکن انسان کا نفس امارہ اسے ہلاکت دنیا وآخرت تک لے جا سکتا ہے اس سے بچانے کی صورت شریعت اور طریقت کا اجتماع ہی کر سکتا ہے۔[17]

شاہ ولی اللہ اور-- فلسفیانہ تصوف

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فلسفیانہ تصوف صرف اہل علم اور اہل دل کے لئے خاص ہے جبکہ عام اعمال و رسوم واشغالِ تصوف سب کے لئے عام ہیں۔ ان کے فلسفہ تصوف پر ابن عربی کے وحدۃ الوجود، مجدد الف ثانی کے وحدۃ الشہود اور متعدد دوسرے فلاسفہ وحکمائے اسلام کے اثرات بہت گہرے ہیں۔

موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ہے کہ انسان میں دو متصادم قوتیں۔(1)، قوت ملکیہ (2)، قوت بہیمیہ، کار فرما ہیں۔

ان کے علاوہ صوفیہ کے بقول باطن انسان میں تین لطائف - لطیفہ عقل، لطیفہ قلب اور لطیفہ نفس پائے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چوتھے لطیفہ جوارح کا اضافہ کیا ہے۔ان لطائف کی حد بندی اور اصلاح میں اور قوت ملکیہ کے حاوی ہونے میں انسانی سعادت مضمر ہے۔ پھر انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے جسم جو اس کے نسمہ (روح ہوائی) کا مرکب ہے اور نسمہ نفس کلیہ سے وابستہ ہے۔ نفس کلیہ حظیرۃ القدس سے فیضان علوم حاصل کرتا ہے جو ذات انہی کی تجلی اعظم سے وہاں منعکس ہوتے ہیں۔اس لئے انسان ملاء اعلیٰ اور ان کے حظیرۃ القدس سے اتصال چاہتا ہے مگر بہیمی قوتیں اسے روکتی یا دور رکھتی ہیں۔ تجلی اعظم نے ان کی اصلاح کے لئے انبیاء کو مترجمین غیب بنا کر بھیجا جو ان کی دونوں قومیں درست رکھیں اور قوت ملکیہ کو غلبہ دیں۔اس لئے رسولوں اور نبیوں کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع کرنا لازمی ہے۔

دنیا سے جب انسان جاتا ہے تو اس کا جسم یہیں رہ جاتا ہے جبکہ اس کا نسمہ باقی رہتا ہے اور نفس کلیہ سے متصل بھی۔ قیامت کے دن اس نسمہ کو جسمانی مرکب عطا کیا جائے گا اور پھر وہ اپنے نسمہ و نفس کلیہ کے ساتھ جنت یا جہنم جائے گا۔ جنت میں نسمہ رفتہ رفتہ کمزور ہوتا جائے گا اور صرف نفس کلیہ رہ جائے گا جو نظیر و القدس سے وابستہ ہو جائے گا۔ذات النبی ﷺ وراء الوراء ہے یا ذات بحت جس کا ادراک ناممکن ہے، صرف اس کی تجلیات کا شعور واحساس کیا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وحدۃ الوجود کے عقیدہ کو اصل اور بنیادی مانتے ہیں جیسا کہ ان کے والد ماجد شیخ عبد الرحیم کا نظریہ وخیال تھا اور مجدد الف ثانی کے نظریہ وحدۃ الشہود کو وحدۃ الوجود کا ایک پہلو اور اس میں موجود تسلیم کرتے ہیں اس لئے دونوں کے اختلاف کو لفظی نزاع جانتے ہیں۔[18]

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفہ تصوف ان کی کتابوں، ہمعات، تسطعات، الطاف القدس، فیوض الحرمین، مکاتیب بالخصوص مکتوب مدنی، تفہیماتِ الٰہیہ، انفاس العارفین، البدور البازغہ، وغیرہ کے علاوہ حجۃ اللہ البالغہ میں بھی ملتا ہے۔ بلجان، جلبانی، سندھی اور محمد فاروق قادری وغیرہ نے جدید انداز میں اس پر کافی لکھا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا عملی تصوف: عملی تصوف میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا اپنے والد ماجد کی مانند نقشبندی طریقہ کی طرف زیادہ رجحان رکھتے تھے کیونکہ اس میں توحید الٰہی اور خالص اسلامیت کا رنگ چوکھا ہے اور بدعات وانحرافات سے گریز پایا جاتا ہے۔ دوسرے سلاسل (سلسلے، زنجیر) کے بھی جامع اور ان میں بیعت تھے اور ان کے اذکار، اشغال اور اعمال پر عامل۔ وہ بعض رسوم وآداب اور طریقوں پر بھی عمل کرتے تھے یا ان پر عمل کرنے کے قائل تھے جیسے فاتحہ، عرس، ختم، زیارت قبور وغیرہ مگر ان کے لئے وہ کتاب وسنت کی پابندی لازمی جانتے تھے اور بدعات وانحرافات اور جاہل صوفیہ کے طور طریقوں کے سخت ناقد

---

[16] ایضا ص 43

Ibid , Pg 43

[17] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، الطاف القدس، طبع، المعارف، گنج بخش لاہور، ص 35،24

Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi may God bless him and grant him peace, Altaf Al-Quds, .Tibb, Al-Maarif, Ganj Bakhsh, Lahore , Pg 24, 35

[18] شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس، طبع، تصوف فاؤنڈیشن لاہور، ص 105

Shah Waliullah may Allah have mercy on him, Altaf al-Quds fi Marifatah Lataif al-Nafs, Tibba, Sufism Foundation Lahore,Pg 105

بھی تھے۔انھوں نے صوفیہ کے لئے کتاب و سنت اور شریعت کی اعلی تعلیم و تربیت اور علمی تبحر (کسی ہنر میں کامل ہونا) کو ضروری قرار دیا تھا۔جاہل صوفیہ کی بدعات کو ختم کر کے طریقت و معرفت کی صحیح راہ دکھائی تھی اور سر چشمہ تصوف کو گندگی سے صاف کیا تھا۔

دیگر علوم وفنون: شاہ صاحب کی فکر و حکمت کی جولانیاں بعض دوسرے علوم وفنون کے بیان میں بھی نظر آتی ہیں۔یہاں سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے لہذا مختصر سیرت نبوی ﷺ ،تاریخ اسلامی، سیاسیات اور تہذیب و سماجیات کے باب میں چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سیرت نبوی: اگرچہ سیرت نبوی ﷺ پر کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں فرمائی تاہم "حجۃ اللہ البالغہ "کے ایک باب میں مختصر سیرت نگاری ﷺ کا ایک نمونہ پیش کیا ہے اور اس کے مختلف ابواب اور دیگر تصانیف میں حکمت سیرت النبی ﷺ کے جواہر بکھیرے ہیں۔ان کی فکر سیرت میں سلسلہ انبیاء علیہ السلام کی تدریجی تکمیل اور آفاقیت کا واضح تصور ملتا ہے۔

نبوت و رسالت کے اصولی مباحث میں انداز فلسفیانہ ہوتا ہے اور بیان واقعات سیرت میں مورخانہ - مصادر سیرت سے زیادہ روایات حدیث سے بیانیہ سنوارتے ہیں۔ماہ و سال اور تاریخ و یوم کے حوالے کے بغیر سوانح نبوی ﷺ اور واقعات عہد میں محض اپنی تنظیم و ترتیب کے ذریعہ تاریخی نظم پیدا کر دیتے ہیں۔واقعات اور تاریخی حوادث سے زیادہ ان کے پیچھے اسباب غیب کی کارفرمائی سے تعرض کرتے ہیں۔اسرار و رموز تلاش کرنے کے سبب معجزات و خوارق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

سلسلہ نبوت کے مانند وہ خلافت اسلامی کو نبوت محمدی ﷺ کی توسیع اور جانشینی بتاتے ہوئے تہذیب اسلامی کی آفاقیت اور دین اسلام کے تواتر کو اُجاگر کرتے ہیں۔غزوہ خیبر کے بعد رسول اکرم ﷺ کی خلافت الٰہی کے قیام کا نظریہ پیش کرتے ہیں، جبکہ جزیرہ نمائے عرب پر آپ ﷺ کی حکومت کو تکمیل خلافت نبوی ﷺ کو قرار دیتے ہیں۔[19]

تاریخ وخلافت اسلامی: تدفین نبوی ﷺ سے قبل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز کو خلافت نبوی ﷺ کی جانشینی اور رسالت محمدی ﷺ کے تسلسل کا مہم حوالہ تو دوسرے صاحبان فکر کے ہاں بھی مل جاتا ہے، مگر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ختم نبوت ﷺ کی تکمیل کے بعد کارِ نبوت ﷺ کے تسلسل اور توسیع کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم بالخصوص خلافت شیخین رحمہم اللہ عنہم کو خلافت محمدی ﷺ کی تکمیل بتاتے ہیں اور بقیہ ادوار میں اس کی توسیع کا عمل دیکھتے ہیں۔خلافت راشدہ عہد بہ عہد نبوت محمدی ﷺ کی تکمیل بن جاتی ہے۔خلافت عامہ کے اصولی مباحث میں وہ شرائط، صفات اور خصوصیات کو زیر بحث لاتے ہیں، جبکہ خلافت خاصہ میں وہ خلافت ثلاثہ حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے واقعات کے علاوہ یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ وہ خلافت خاصہ اور خلافت مجتمعہ تھی۔چوتھے دور خلافت کو صحیح نبوی ﷺ خلافت راشدہ قرار دینے کے باوجود اسے غیر متفقہ یا غیر اجتماعی سمجھتے ہیں۔بعد کے ادوار خلافت کا تجزیہ احادیث نبوی ﷺ ،اعمال خلفاء، واقعات عہد اور افکار علماء و محدثین کے حساب سے کرتے ہیں۔

اموی اور عباسی خلافت کے بعض غیر اُصولی اور غیر اسلامی عناصر پر نقد کرنے کے باوجود ان دونوں ادوار کو دائرۂ خلافت سے خارج نہیں قرار دیتے کیونکہ اولین کے بارے میں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ بارہ خلفاء اسلام تک دین و مذہب معزز رہے گا اور یہ سب کے سب اموی تھے جبکہ عباسی خلافت کے بارے میں نبوی پیشنگوئیاں ملتی ہیں۔

اسلامی خلافت کو ظاہری خلافت قرار دیتے ہیں اور ائمہ اطہار، علمائے کرام اور مولفینِ عظام کی علمی خدمات کو خلافت باطنی۔اسی سبب سے اپنے آپ کو خلافت باطنی پر سرفراز، نائب یوسف اور قائم الزماں وغیرہ قرار دیتے ہیں۔اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ وہ نئے دور کا آغاز اور علوم کا احیا کرنے والے تھے۔

---

[19] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حجۃ اللہ البالغہ، باب سیرۃ النبی ﷺ ، طبع، لاہور، ص 15
Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi , Hajjatullah al-Balagha, chapter of Sirat al-Nabi .sallallahu alayhi wa sallam, Tiba, Lahore , Pg 15

سیاسی اور سماجی افکار: خلافت اسلامی سے متعلق اصولی مباحث اور واقعاتی استدلات موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی فکر کو واضح کرتے ہیں۔ حکمراں یا خلیفہ کا اعلیٰ نسب سے ہوتا اس کے محبوب و مطاع ہونے کی ضمانت فراہم کرتا ہے جس طرح اس کے ذاتی اوصاف شجاعت و شہامت، ذہنی قوت فیصلہ، اجراء حکم کی طاقت، نفاذِ شریعت اور اطلاقِ قانون کی صلاحیت، جہاد کے جاری رکھنے کی شہامت اور بالکلیہ اسلام کے دفاع و بقاء اور ترویج و تکمیل کی لیاقت اور مسلم معاشرہ کی اجتماعیت قائم رکھنے کی حکمت کرتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی افکار خلافت راشدہ و اسلامیہ کے تناظر میں ملتے ہیں۔ ازالۃ الخفاء میں بالخصوص اور بعض نگارشات میں بالعموم اصولی بحثیں کی گئی ہیں۔ ذہنی قوت فیصلہ، اجراء حکم کی طاقت، نفاذ شریعت اور اطلاق قانون کی صلاحیت، جہاد کے جاری رکھنے کی شہامت اور بالکلیہ اسلام کے دفاع و بقاء اور ترویج و تحمیل کی لیاقت اور مسلم معاشرہ کی اجتماعیت قائم رکھنے کی حکمت کرتی ہے۔ شاہ صاحب کے سیاسی افکار خلافت راشدہ و اسلامیہ کے تناظر میں ملتے ہیں۔ ازامتہ الخفاء میں بالخصوص اور بعض نگارشات میں بالعموم اصولی بحثیں کی گئی ہیں۔

سماجیات: پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے اچھوتا نظریہ اور مبحث "ارتفاقات" کے باب میں ملتا ہے اور غالباً امام سماجیات و اجتماع بشری ابنِ خلدون کے بعد موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی بحث سب سے زیادہ مدلل، نادر اور شاندار ہے۔ چونکہ انسان ایک سماجی فرد ہے اور وہ اپنی بعض مخصوص سماجی اور اقتصادی ضروریات رکھتا ہے۔ ان کی تلاش و جستجو اور تحمیل کے چار مراحل ہیں جن کو وہ "ارتفاقات کا نام دیتے ہیں۔

ارتفاق اول: میں انسانی افراد بنیادی ضروریات کھانا، کپڑا اور مکان کو اپنے طبعی و فطری ملکات و اوصاف کی بناپر پورا کرتے ہیں۔ وہ غذا کی فراہمی کاشتکاری یا حیوانات کے ذریعہ کرتے ہیں اور انھیں سے مکان کی ضروریات کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ جنسی خواہش کی تسکین کے ذریعہ اپنی نسل کی بقا کا سامان فراہم کرتے اور دوسروں کی مزاحمتوں سے اپنا دفاع کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی کی طرح وہ فطرت سے کام لیتے ہیں۔ اس میں اپنے سوا دوسروں کی رفاہ اور بھلائی کا احساس بھی ہوتا ہے لہذا وہ سود مند اور نافع کام کرتے ہیں۔ وہ اپنے اخلاق کی تکمیل اور نفس کی تہذیب کر کے اپنے لئے عزت و افتخار حاصل کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اپنے فطری احساس جمالیات کے تحت خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان میں ایجاد و تقلید کا مادہ بھی ودیعت ہوتا ہے جس کی بناپر حاکم و محکوم بنتے ہیں اور سیاست مدینہ کی بنیاد پڑتی ہے۔ تقلید معاشرتی اتفاق و اجتماع کو پیدا کرتی ہے اور عقلمند و دانا اور سادہ لوح افراد اجتماع کو متمدن و مہذب بناتے ہیں۔ اس ارتفاق اول کے مرحلہ میں اجتماع بشری اور انسانی معاشرت پیدا ہوتی ہے۔

ارتفاق دوم: میں ارتفاق اول کے مسائل و معاملات کو صحیح تجربات کی صورت میں ڈھالا جاتا ہے تاکہ نفع کی شرح زیادہ سے زیادہ اور نقصان کی کم سے کم ہو۔ اجتماعیت اور تہذیب انسانی کے آداب و معیارات قائم کئے جاتے ہیں اور ان کو بہتر سے بہتر بنایا جاتا ہے۔ حرام و حلال، خراب و صحیح، نفاست و شرافت کے اُصول بنائے اور برتے جاتے ہیں۔ طہارت و جسمانی نظافت کا شعور و عمل جنم لیتا ہے۔ اسے تدبیر منزل یا معاشرتی زندگی کو مہذب بنانے کا مرحلہ کہتے ہیں۔ مرد و زن، زوجین، اولاد، والدین، آقا و غلام، ملکیت و ملوکیت کے آداب برتے جاتے ہیں، اور باہمی تعامل اور رفاقت کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تدبیر منزل کے آداب برتے جاتے ہیں اور باہمی تعامل اور رفاقت کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تدبیر منزل سے جب شہری تمدن کی منزل آتی ہے تو ارتفاق سوم کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ سیاست مدن کا عہد و مرحلہ ہوتا ہے جب مختلف شہروں کے باشندے باہمی تعلقات کی رعایت کر کے ملک گیر اور ایک قوم ہونے کا تصور و ادراک و عمل پیدا کرتے ہیں اور یہ قومی ملکی منزل یا اجماعیت کا عہد ہوتا ہے اور چوتھے ارتفاق میں انسانی معاشرہ بین الاقوامی تعلقات اور نافع و سود مند روابط کے دور میں داخل ہوتا ہے اور وہ عالمی نظام اور آفاقی تمدن کی منزل ہے۔[20]

---

[20] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شخصیت و حکمت کا ایک تعارف، طبع، علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ص36-40

Shah Waliullah Muhaddith Dehlavi may God bless him and grant him peace, An Introduction to Personality and Wisdom, Nature, Islamic Studies, Aligarh Muslim University, pg 36 -40

خلاصہ

بزرگانِ دین میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو، " كَانَ اَمرُ اللّٰہِ قَدْرًا مَّقْدُورًا" کے تحت اللہ تعالیٰ نے وجود کا جامہ پہنا کر اس وقت بھیجا جب امت مسلمہ فی الہند طاقتور اور صاحب سلطنت ہونے کے بعد بھی ایران اور وسط ایشیاء سے لائی ہوئی تہذیب و تمدن اور شرک کو اسلام کے ساتھ گڈ مڈ کر چکی تھی۔ ہندوستان سے لگے بیشمار پڑوسی ملکوں کی تہذیب و تمدن اور مقامی ہندوانہ عقائد کا بھی امت پر سایہ پڑ چکا تھا۔ اس وقت مغلیہ سلطنت کا انتشار، آپسی مار اماری بھی خوب عام ہو چکی تھی۔ شرک اپنی مختلف شکلوں میں جو سب سے پرانی اور خطرناک بیماری ہے

ہندوستان میں مغلوں کے دور میں پھیل چکی تھی، غیر مسلم اور عجمی اقوام کے اختلاط کے سبب جاہل اور گمراہ صوفیوں کے مشرکانہ عقائد ور سوم اور رواج میں بھی امت مسلمہ الجھ گئی تھی۔ یہود و نصاری جیسے مشرکانہ عقائد حضرت عزیر اور حضرت عیسی کے بارے میں رکھتے تھے، ویسے ہی مشرکانہ عقائد امت مسلمہ فی الہند اولیاء اور صلحاء کے بارے میں رکھنے لگی تھی۔ بزرگان دین کی قبروں اور مزارات پر وہی حرکتیں ہونے لگی تھیں جو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں جاری تھیں۔ :تاریخ سے اُس وقت کے ان حالات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے بلکہ ہم آج بھی مشرکانہ عقائد کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فکری نظریات میں امتزاج، ندرت اور جامعیت کے شاندار عناصر ملتے ہیں۔ امتزاج علمی اسلاف کے افکار و آراء سے، ندرت ان کی اپنی عطایائے خاص کی اور جامعیت پورے علمی اسلامی کی وراثت ہے۔ یہی تینوں شریعت و طریقت کے علوم وفنون ولی الہی کی رگوں میں جاری وساری ملتے ہیں جو خالص فکر اسلامی کا طرہ امتیاز ہیں۔ اس بناپر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ادراکِ حتمی تھا، کیونکہ ان کے علوم وفنون کائناتِ علم میں باقی رہیں گے اور ان کے زمانے سے آج تک اس کی تصدیق و تائید فکری تحقیقات سے ہوتی چلی آرہی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی کیونکہ جب بھی شریعت و طریقت کے علوم وفنون کا علمی فکری تجزیہ کیا جائے گا حکمت ولی الہی کی طرف رجوع ناگزیر ہوگا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)